وحید قیصر ندوی

حضرت شاہ علی بغدادی

عام طور سے لوگوں کا خیال یہی ہے کہ بنگال میں اسلام مسلمان بادشاہوں یا مسلمان حاکموں کے دور میں پھیلا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ محل کے رہنے والوں کی بجائے اشاعت اسلام کے فرائض خانقاہ اور جھونپڑیوں میں رہنے والے بوریہ نشینوں نے انجام دیے۔ مسلمان بادشاہوں نے زمینوں عمارتوں اور کھنڈروں پر ضرور قبضہ کیا مگر دلوں پر ہمیشہ اللہ کے نیک بندوں اور اولیاء اللہ ہی کی حکومت رہی۔

بنگال میں تیرہویں صدی عیسوی سے صوفیوں اور مبلغوں کی آمد کا پتہ چلتا ہے۔ فاتح بنگالہ اختیار الدین بختیار خلجی اور دوسرے مسلمان حکمرانوں کے حملۂ بنگال سے پہلے یہاں صوفیاء اور اولیاء اللہ خدا کا آخری پیغام پہونچا چکے تھے۔

اگرچہ بختیار خلجی نے صرف سترہ سواروں کے ساتھ راجہ لکشمن پر حملہ کرکے اور لکھنوتی پر قبضہ کرکے اسلامی فتوحات میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا تھا لیکن اس حملہ سے پہلے حضرت اخی سراج اور حضرت جلال الدین تبریزی وغیرہ دلوں کی دنیا فتح کرچکے تھے۔

سولہویں صدی کے آخر میں مغلوں نے بنگال کا رُخ کیا سب سے پہلے شہنشاہ اکبر کے سپہ سالار راجہ مان سنگھ نے حملہ کیا اس کے بعد اکبر کے بیٹے جہانگیر نے حضرت شیخ سلیم چشتی کے نور نظر حضرت شیخ علاؤ الدین عرف اسلام خاں کو بنگال پر پورے طور سے قبضہ کرنے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے پوری طرح سے باغیوں اور ہندو راجاؤں وغیرہ کا قلع قمع کردیا۔ نواب اسلام خاں نے فتح کے بعد ڈھاکہ کا نام جہانگیر نگر رکھا۔ ڈھاکہ نے جو پہلے ایک فوجی چوکی تھا جہانگیر نگر بنتے ہی بڑی اہمیت اختیار کرلی۔

ایک طرف تو مغل سردار اور بادشاہ اپنی فتوحات بڑھانے میں مصروف تھے اور دوسری طرف اس ڈھاکہ یا جہانگیر نگر سے تقریباً سات میل دور میرپور کے مقام پر ایک اللہ والے بزرگ حضرت سید شاہ علی بغدادی ثم بنگالی رحمۃ اللہ علیہ تبلیغ دین اور رشد و ہدایت میں مصروف تھے۔

اگر ایک طرف مغل بادشاہوں کے درباروں میں لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا اور بار لگتے تھے خلعت تقسیم ہوتے تھے، رعایا کو انعامات سے نوازا جاتا تھا تو دوسری طرف حضرت شاہ علی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا چشمۂ فیض بھی

جاری تھا۔ لوگ جوق در جوق ہزاروں کی تعداد میں آتے اور حضرت شیخ سے فیض اٹھاتے، اکثر بڑے بڑے مغل سردار اور سلاطین تک پاپیادہ حضرت شیخ بغدادیؒ کی خدمت میں حاضری دیتے اور روحانی برکتوں اور نیک دعاؤں سے کامراں ہو کر واپس جاتے۔ حضرت شاہ علی بغدادی رحمۃ اللہ نویں صدی ہجری میں تبلیغ اسلام کی غرض سے مسلمان تاجروں کے ساتھ "ست گام" یا چاٹگام پہونچے ان کا تعلق بغداد کے شاہی خاندان سے تھا۔ پہلے وہ کچھ دنوں تک چاٹگام، سندیپ، ہتھیا، اور چاندپور میں قیام کرنے کے بعد فریدپور تشریف لے گئے فریدپور میں ان کا قیام کافی دنوں تک رہا وہاں سے ڈھاکا تشریف لائے۔ یہاں دریائے بوڑھی گنگا کے قریب میرپور کے ایک پرفضا مقام پر انہوں نے قیام کیا۔ یہاں پر پہلے سے ہی ایک چھوٹی سی مسجد موجود تھی۔ ان کا قیام اسی میں ہوا۔ بعد میں ان کے مریدوں اور معتقدوں نے اس مسجد کو کافی بڑا بنا دیا۔ میرپور کے قیام سے پہلے کا حال تو بہت کم معلوم ہے لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ بنگال میں باضابطہ اسلامی سلطنت قائم ہونے سے پہلے یہاں چالیس اولیاء اللہ تشریف لائے تھے جن میں حضرت شاہ علی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ بنگال پر اس وقت یوسف شاہ کی حکومت تھی۔

شاہ علی بغدادیؒ کا انتقال ۸۸۵ھ مطابق ۱۵۷۷ء میں ہوا۔ منشی رحمٰن علی طیش مرحوم نے اپنی کتاب "تاریخ ڈھاکہ" میں حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کا حال اس طرح لکھا ہے کہ "وفات کے پہلے انہوں نے اپنے مریدوں کو بلا کر ہدایت کی کہ وہ ایک خاص ضرورت کے تحت چالیس دنوں کے لیے مسجد میں بند ہو جائیں اور چالیس دنوں تک کوئی دروازہ نہ کھولے۔ جب انتالیس دن گزر گئے اور چلہ پورا ہونے کو ایک دن باقی رہا تو مریدوں نے مسجد کے باہر سے ایسی آوازیں سنیں جیسے کوئی سیال چیز آگ پر کھول رہی ہو۔ مریدوں نے یہ آواز سن کر دروازہ کھولنے کی بہت کوشش کی جب دروازہ نہ کھلا تو مجبوراً اسے توڑ ڈالا تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جس جگہ شاہ صاحب موصوف چلہ کشی کے لیے بیٹھے تھے وہاں ایک قبر نما گڑھے میں خون جوش کھا کر کھول رہا ہے اور ٹھیک شاہ صاحب کی آواز سے ملتی جلتی ایک آواز آرہی ہے کہ آؤ تم بھی اس میں شامل ہو جاؤ۔ بعد میں وہاں ان کے جسد مبارک کے کٹے ہوئے ٹکڑے پائے گئے جنہیں یکجا کر کے وہیں دفن کر دیا گیا۔ اس قسم کی روایات اکثر بزرگوں کے متعلق بعد میں بہت مشہور ہو جاتی ہیں اور عوام انہیں چیزوں کو سن کر معتقد ہو جاتے ہیں حالانکہ اصل بزرگی اعلیٰ کردار اور خدمت خلق ہے۔ بہرحال یہ مسلم ہے کہ انہیں پروردگار عالم نے فنا فی اللہ کا درجہ عطا کیا۔

ڈھاکے کے متعلق لکھی جانے والی تمام انگریزی، اردو، بنگلا اور فارسی کتابوں میں اس واقعہ کا تفصیلی

تذکرہ کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب اصل حقیقت کیا تھی یہ کوئی نہیں جانتا۔ بہر حال اس مقام پر حضرت شاہ علی بغدادی کی قبر تیار کی گئی۔ اور انہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔

حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم مصنف "آسودگان ڈھاکا" نے بھی اپنی کتاب میں حضرت شاہ علی بغدادی کی وفات کا حال یوں لکھا ہے ان کا بیان ہے کہ حضرت شاہ علی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں چلہ میں بیٹھے اور اس طرح مسجد کے دروازے بند کر لیے کہ کوئی اندر نہیں جا سکتا تھا اور اس اعتکاف کے دوران میں وہیں ان کا وصال ہوگیا۔ تو مسجد ہی میں ان کو دفن کیا گیا"۔

سید محمد طیفور اپنی انگریزی کتاب "قدیم ڈھاکے کی جھلکیاں"۔ اور ڈاکٹر احمد حسن دانی نے بھی اپنی انگریزی کتاب "ڈھاکہ" میں حضرت شاہ علی بغدادی کی وفات کا حال منشی رحمٰن علی طیش مرحوم کے بیان کے مطابق لکھا ہے:

حضرت شاہ صاحب کی کشف و کرامت کا چرچا دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا، روزانہ ان کے دربار میں میلہ سا لگا رہتا تھا، ہر سال برسات کے زمانے میں ایک بڑا اجتماع ہوا کرتا تھا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ پہلے حضرت شاہ صاحب کے مزار کے آس پاس کا علاقہ ویران پڑا ہوا تھا۔ مگر اب مزار کے آس پاس مہاجروں کی بہت بڑی بستی بن گئی ہے اور اب ڈھاکہ شہر سے میرپور تک آبادی ہی آبادی ہے۔

مسجد جو اب مزار بن چکی ہے اس کی مرمت ۱۲۲۱ھ میں گھ بازار (اصل میں مغ بازار یعنی مغلوں کا بازار) کے شاہ مہدی رحمۃ اللہ علیہ نے کرائی تھی۔ اس کے بعد ڈھاکے کے نواب سر احسن اللہ مرحوم نے اس مزار کے پاس ہی ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرا دی ہے۔ مسجد کے اوپر پہلے گنبد نہیں تھا لیکن اب خوبصورت سا گنبد بھی بن چکا ہے۔ مسجد سے متصل بڑا سا تالاب تھا وہ صاف کیا جا چکا ہے۔

ایک مرتبہ برسات کے دنوں میں اور دوسری بار جاڑے کے زمانے میں مزار کے پاس بڑا میلہ لگتا ہے۔ جس میں مشرقی پاکستان سے دُور دُور کے لوگ کشتیوں اور ناؤں میں کثیر تعداد میں آتے ہیں۔ بعض دیہاتی نوجوان جلوس کی شکل میں مزار تک گاتے بجاتے ہوئے آتے ہیں اور مزار پر چادر چڑھاتے ہیں۔ مزار کی دیکھ بھال کرنے والوں کو دیوان کہا جاتا ہے، یہی دیوان یا مجاور مزاروں پر چڑھائی جانے والی چادروں اور نذرانوں کے مالک ہیں۔

قدیم خاندانوں کی روایت کے مطابق حضرت شاہ علی بغدادی کے خاندان کا شمار یہاں کے شرفا اور رؤسا میں ہوتا ہے۔ ان کے خاندان والوں کے پاس جو مخطوطات محفوظ ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شاہ علی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ۸۳۸ھ مطابق ۱۴۱۲ء میں ایک سو صوفیا کے ہمراہ دہلی تشریف

لائے تھے۔ آپ کی تشریف آوری کا مقصد تبلیغ اسلام تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام شاہ فخرالدین تھا۔

حضرت شاہ فخرالدین کے انتقال کے بعد حضرت شاہ علی کے بڑے بھائی حضرت شاہ بہاؤاللہ بغداد ہی میں رہے۔ حضرت شاہ فخرالدین کی خانقاہ بغداد میں ایک خاص اہمیت کی مالک تھی۔ حضرت بہاؤ اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے سے شاہ علی بغدادی تبلیغ اسلام کے لیے ہندوستان روانہ ہوئے۔ شاہ علی بغدادی اُس وقت دہلی تشریف لائے جس وقت شاہ تغلق پر امیر تیمور نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے دہلی میں اپنے سامنے شہنشاہ تغلق کی حکومت کا خاتمہ دیکھا۔

امیر تیمور کے حملے کے بعد سید علاء الدین نے دہلی کی حکومت سنبھالی۔ حضرت شاہ علی بغدادی کی شادی سید علاء الدین شاہ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ شاہزادی کے بطن سے ایک لڑکا شاہ عثمان پیدا ہوا۔

حضرت شاہ علی بغدادی کے خاندان والوں کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحب اپنے ساتھ بغداد سے بہت متبرک ومقدس چیزیں لائے تھے۔ جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کے بال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مونچھ کے بال اور حضرت شاہ مدار کی گدڑی وغیرہ تھی۔

کہا جاتا ہے کہ اپنے ڈھاکے کے قیام کے دوران میں حضرت شاہ علی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پہلی بیوی کی زندگی ہی میں ڈھاکے کے گل محمد سوداگر کی بیٹی سے دوسری شادی کرلی تھی۔

حضرت شاہ علی بغدادی کے خاندان کے موجودہ افراد میں جناب سید علی احسن صدر شعبۂ بنگالی، کراچی یونیورسٹی، جناب سید علی اشرف صدر شعبۂ انگریزی کراچی یونیورسٹی، جناب سید سجاد حسین صدر شعبہ انگریزی ڈھاکا یونیورسٹی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سید علی احسن اور سید علی اشرف دونوں سگے بھائی ہیں، یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں بھائی ایک ہی یونیورسٹی میں اپنے اپنے شعبے کے صدر ہیں۔

گل محمد سوداگر کی صاحبزادی بڑی عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ حضرت شاہ علی بغدادی اور ان کے مریدین ان کو بزرگ بی بی کے نام سے پکارتے تھے۔ بزرگ بی بی صاحبہ کی بطن سے کئی اولادیں ہوئیں۔ لیکن بزرگ بی بی صاحبہ حضرت شاہ علی کے سب سے بڑے لڑکے شاہ عثمان کو بے حد چاہتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ عثمان کے سوتیلے بھائیوں کو ماں کے اس رویہ پر سخت اعتراض تھا اس لیے وہ اپنی والدہ اور بھائیوں سے سخت ناراض رہتے تھے۔ حضرت بزرگ بی بی صاحبہ ان باتوں سے ناراض ہوکر حجرہ نشین ہو گئیں۔ وہ حجرے سے باہر نہیں نکلتی تھیں وہیں تلاوتِ کلام پاک اور عبادت وریاضت میں لگی رہتی تھیں

وہ ہمیشہ روزہ سے رہتی تھیں، شام کے وقت حجرہ کے ایک سوراخ سے دودھ کا ایک کٹورا پہونچا دیا جاتا تھا، یہی افطاری اُن کے لیے کافی تھی۔ اس حجرہ میں انہوں نے عبادت و ریاضت اور روزہ کی حالت میں انتقال کیا۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ محترمہ بزرگ بی بی کا انتقال حضرت شاہ علی بغدادی کی زندگی ہی میں ہوا یا بعد میں۔ محققین کا خیال ہے کہ حضرت بزرگ بی بی کا انتقال حضرت شاہ علی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں ہوا ہے، البتہ حضرت شاہ علی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بزرگ بی بی کے انتقال کی مدت میں صرف چند مہینوں کا فاصلہ ہے ایک روایت کے مطابق دونوں کا انتقال ۹۲۳ھ میں ہوا۔ یہاں کی مقامی تاریخ اور روایات کی کتابوں میں حضرت شاہ علی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا حال کم معلوم ہوتا ہے البتہ حضرت شاہ صاحب کی کرامات اور کشف کے حالات کے بارے میں بہت سی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ بعض مستند تاریخوں سے اس کا پتہ ضرور چلتا ہے کہ حضرت شاہ علی بغدادی کے پوتے اور صاحبزادے حضرت شاہ عثمان کے بڑے بیٹے اپنے نانا سید سلطان علاء الدین کی عطا کی ہوئی جاگیر کے سلسلہ میں ایک جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے، بنگال کے مشہور نواب سراج الدولہ کے دربار میں گئے تھے یہاں ان کی بڑی عزت افزائی کی گئی تھی، دربار میں شاہ حفیظ کی ملاقات نواب سراج الدولہ مرحوم کے استاد مُلا نیر علی سے ہوئی، وہ حضرت شاہ حفیظ کی ذہانت اور علمیت سے بہت متاثر ہوئے اور اپنی لڑکی کی شادی اُن سے کر دی۔ مُلا نیر علی ان کو اپنے ساتھ جیسور لے آئے جہاں ان کا قیام تھا۔ حضرت شاہ حفیظ نے جیسور میں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی، یہاں ان کا خاندان بہت پھلا پھولا۔

اس وقت ڈھاکہ یا مشرقی پاکستان کے جن جن مقامات پر حضرت شاہ علی بغدادی کے خاندان کے افراد موجود ہیں وہ بڑے ہی خوشحال اور آسودہ ہیں، اس خاندان کے افراد اپنی شرافت، بزرگی کی وجہ سے ہر جگہ ممتاز نظر آتے ہیں۔

آزادی کے بعد حضرت شاہ علی بغدادی کے مزار تک پختہ سمنٹ کی سڑک بن چکی ہے اب ہر جمعرات کو یہاں میلہ سا لگ جاتا ہے۔ سالانہ میلہ میں لاکھوں افراد شرکت کرتے ہیں صبح و شام ہر وقت قاری، حافظ اور عام لوگ تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ خواتین کے لیے الگ جگہ بنی ہوئی ہے جہاں بیٹھ کر خواتین بھی تلاوت کرتی ہیں، مسجد کی بھی کافی توسیع کر دی گئی ہے، مزار کے آس پاس اچھا خاصا بازار بھی بن گیا ہے اسکول اور مدرسہ بھی قائم ہو گیا ہے، خانقاہ بھی تعمیر ہو چکی ہے، بڑے سے بڑے افسر اور وزرائے شہر کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا ہے حضرت شاہ علی بغدادی کا فیض اب تک جاری ہے، عوام و خواص، غریب

امیر سب ہی آتے ہیں اور یکساں فائدہ اٹھاتے ہیں۔

حضرت شاہ علی بغداوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے دیوان یا مجاور مزار کی دیکھ بھال میں بڑی خوبی سے مصروف ہیں مزار اور مزار کے آس پاس کے علاقوں کی صفائی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔

مزار کے گنبد اور مسجد کے آس پاس، کالے رنگ کے کبوتروں نے گھونسلے بنا رکھے ہیں، ان کبوتروں کو یہاں جلالی کبوتر کہا جاتا ہے، ان کبوتروں کو کوئی نہیں ستاتا، بلکہ مزار کی زیارت کرنے والے اور آس پاس کے علاقے کے رہنے والوں کا عقیدہ ہے کہ ان کبوتروں کو دانہ ڈالنے سے برکت ہوتی ہے، یہ کبوتر آدمیوں سے بہت ہلے ہوئے ہیں، کبوتروں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، اگر روزانہ مسجد اور مزار کے صحن کی صفائی نہ کی جائے تو چند دنوں میں تل بھر جگہ بھی باقی نہ رہ جائے جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ مسجد کے دیوان اور مزار کی صفائی کا خاص طور سے خیال رکھتے ہیں۔

اسلام اور رواداری

مصنفہ مولانا رئیس احمد جعفری

قرآن کریم اور حدیث نبوی کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ کیا حسن سلوک روا رکھا ہے اور انسانیت کے بنیادی حقوق ان کے لیے کس طرح اعتقاداً اور عملاً محفوظ کیے ہیں۔

حصہ اول صفحات ۴۳۲ - قیمت ۴/۷ روپے حصہ دوم صفحات ۴۷۴ - قیمت ۸/۶ روپے

اسلام اور مذاہب عالم

مصنفہ مظہر الدین صدیقی

مذاہب عالم اور اسلام کا ایک تقابلی مطالعہ - یہ کتاب یہ وضاحت کرتی ہے کہ اسلام انسان کے مذہبی ارتقاء کی فیصلہ کن منزل تھی۔ اس نے تمام مذاہب کے حقائق کو یکجا کر کے اپنی وحدت میں سمو لیا۔ قیمت ۸/۴ روپے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارہ ثقافت اسلامیہ - کلب روڈ - لاہور